Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:5 (1983)

حدیث میں تفقہ کا مقام

یوسف طلال علی

لغوی اعتبار سے لفظ تفقہ سے مراد فہم و دانش ہے اور علمی اصطلاح میں فقہ کا اطلاق اس فہم خاص پر ہوتا ہے جو شریعت کے مصادرِ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس سے وابستہ ہے، چنانچہ علم فقہ علمائے اصولِ فقہ کی اصطلاح میں دلائلِ تفصیلیہ یعنی ہر چہار ماخذ مذکورہ سے احکامِ فروعیہ عملیہ (یعنی فرض، نفل، مباح، مکروہ اور حرام) کے نکالنے کا نام ہے، اس لحاظ سے حقیقت میں وہ قرآن و حدیث کا ثمرہ ہے جس سے حلال و حرام پہچانا جاتا ہے، اس بنا پر علم فقہ کو اشرف العلوم کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہ کی فضیلت میں بکثرت روایتیں منقول ہیں، مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو حدیثیں ہدیۂ قارئین ہیں۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین(۱)	جس کے متعلق خدا خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فہم دے دیتا ہے۔
۲۔ وقال علیہ السلام: نعم الرجل الفقیہ فی الدین، ان احتیج الیہ نفع،	بڑا اچھا ہے وہ شخص جو دین میں فقیہ ہو کہ اس کی طرف حاجت پڑے تو وہ نفع پہنچائے

وان استغنی عنه اغنی نفسه[۲] اور اگر اس سے بے نیازی کی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز کرے

فقہ کے مرتبۂ اعلیٰ پر جو افرادِ امت فائز ہوتے ہیں وہ فقہائے مجتہدین کہلاتے ہیں، اور مجتہدین اگرچہ بہت سے ہوتے ہیں لیکن جن مجتہدین کے مذاہب صدیوں اور قرنوں سے مقبول اور متداول چلے آرہے ہیں وہ امت میں ائمہ اربعہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، ان ائمہ اربعہ کی تعریف میں بس اتنا کافی ہے کہ یہ وہ برگزیدہ نفوس ہیں جن کا اتفاق حجتِ قاطعہ ہے اور جن کا اختلاف رحمتِ واسعہ ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی صراط مستقیم میں فرماتے ہیں:

امامت در ہر کمال عبارت است از حصول مشابہت تامہ با انبیاء اللہ در آں کمال، مثلاً علم باحکام شرعیہ پس مشابہ بانبیاء درایں فن ائمہ مجتہدین مقبولین اند پس ایشان را از ائمہ فن باید شود مثل ائمہ اربعہ، ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار گذشتہ اند فاما مقبول درمیان جمہور امت ہمیں چند اشخاص اند پس گویا کہ مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشان گردید، بنائً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب امام معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف۔[۳]

کسی کمال میں امامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت تامہ حاصل ہو جائے، مثلاً احکام شرعیہ کا علم ہے کہ اس فن میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہ مجتہدین مقبولین ہی ہیں لہٰذا ان حضرات کو ائمہ فن میں شمار کرنا چاہئیے جیسے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ہیں کہ اگرچہ مجتہدین زیادہ سے زیادہ ہو گذرے ہیں لیکن جمہور امت کے درمیان یہی چند حضرات ہیں پس گویا مشابہت تامہ اس فن میں انہی حضرات کے نصیب میں آئی اس بنا پر اہل اسلام کے درمیان چاہے وہ خواص ہوں یا عوام یہی حضرات امام کے لقب سے معروف اور قوت اجتہاد سے موصوف ہیں۔

مجتہد کی تعریف بقول امام بغوی یہ ہے کہ مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، مذاہب سلف لغت، قیاس۔ ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو، یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں

آیتیں ہیں، جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے، سلف کے جو اقوال ہیں، قیاس کے جو طرق ہیں۔ قریب قریب سب کو جانتا ہو، اور اگر ان میں سے کسی میں بھی کمی رہ گئی تو وہ مجتہد نہیں ہے۔[۴]

اور حضرت شاہ ولی اللہ مقدمہ مصفی شرح موطا میں منصب اجتہاد پر سیر حاصل بحث کرکے فرماتے ہیں کہ:

وچون عالم ایں امور را احاطہ کرد، و از اول احکام تا آخر آن بنظر مجتہدانہ شرح فرمود مجتہد مطلق شد در دین و فتوی او صحیح شد و تقلید از وی برخاست[۵]	اور جب کسی عالم نے ان امور کا احاطہ کر لیا اور احکام کی اول سے آخر مجتہدانہ نظر سے شرح فرمادی تو وہ دین میں مجتہد مطلق ہو گیا۔ اب اس کا فتوی صحیح ہے اور تقلید اس پر سے ہٹ گئی۔

شاہ ولی اللہ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو علم دین میں یہ مرتبہ حاصل نہیں انہیں احکام شرعیہ کے معاملہ میں اہل اجتہاد سے رجوع کرنا چاہیئے، یہ عقل و شرع دونوں کا فتوی ہے:

ارشاد باری تعالی ہے:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الالباب[۶]	آپ فرمادیجئے کہیں برابر ہوتے ہیں علم والے اور بے علم سوچتے وہی ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

اور حق تعالی کا ارشاد ہے:

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون[۷]	سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم علم نہیں رکھتے ہو۔

اب مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے مدون ہو جانے اور اس طرح تمام احکام فقہ کے منقح ہو جانے کے بعد بارہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزرنے آیا کہ احکام شرعیہ کے معاملہ میں اس

آیت کا مصداق۔ یعنی اہل الذکر سے مراد امت میں یہی چار امام بن کر رہ گئے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان اجتہاد کا مہر و ماہ ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ مجتہد کے لئے جس طرح کتاب و سنت کے نصوص کی دلالت اور ان کے معانی کا فہم ضروری ہے اسی طرح حدیث صحیح وغیر صحیح کی معرفت اور اس کا علم بھی ضروری ہے، پس مجتہد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ علم درایت اور علم روایت دونوں میں معرفت کاملہ رکھتا ہو اور وہ فقیہ و محدث دونوں اوصاف سے موصوف ہو چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ شرح سفر سعادت میں رقمطراز ہیں:

ولا بد چوں مجتہد را اطلاع بر معانی قرآن واحادیث واقوال سلف ومعرفت ناسخ ومنسوخ شرط است ایشاں ہم فقیہ باشند وہم محدث[۸]	اور جب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ مجتہد کے لئے قرآن واحادیث اور اقوال سلف پر اطلاع اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت شرط ٹھہری تو وہ فقیہ بھی ہوئے اور محدث بھی۔

مجتہد کی یہی شان جامعیت ہے جو اس کو نرے محدث سے بالکل الگ اور ممتاز کر دیتی ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ مصفیٰ شرح موطا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ فرق است درمیان محدث ومجتہد۔[۹]	جاننا چاہیئے کہ محدث اور مجتہد کے درمیان فرق ہے۔

اس فرق کو واضح کرنے کے لئے کبار علمائے متقدمین ومتاخرین کی کتب سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم اور علامہ زبیدی کی عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ میں لکھا ہے کہ علی بن معبد بن شداد، عبیداللہ بن عمرو سے روایت

کرتے ہیں کہ میں اعمش محدث کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا وہ کچھ جواب نہ دے سکے، اتنے میں وہاں امام ابوحنیفہ بھی آگئے، اعمش نے کہا کہ اے نعمان (امام ابوحنیفہ کا نام) آپ اس مسئلہ کا جواب دیں، اس میں امام نے جیسا کہ چاہیے تھا اس کا جواب دیا، اعمش نے کہا کہ یہ جواب آپ نے کہاں سے نکالا؟ امام نے فرمایا کہ اس فلاں حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی، اس پر اعمش نے کہا کہ اے گروہ فقہا، تم بیشک طبیب ہو اور ہم صرف دوا فروش ہیں۔[۱۰]

طبیب اور دوا فروش میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ اور اسی لئے امام اعمش نے یہ بھی کہا ہے:

حدیث یتداولہ الفقہاء خیر	جو حدیث فقہاء میں متداول ہو اس سے بہتر
من حدیث یتداولہ الشیوخ[۱۱]	ہے جو مشائخ حدیث میں متداول ہو۔

اور حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں[۱۲] اور نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں علامہ ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ: معرفت تواتر و احاد اور ناسخ و منسوخ کی اگرچہ علم حدیث سے تعلق رکھتی ہے مگر یہ وظیفہ فقیہ کا ہے کیونکہ وہ احادیث سے احکام شرعیہ کو استنباط کرتا ہے اس لئے معرفت تواتر و احاد اور ناسخ و منسوخ کی طرف محتاج ہے، لیکن محدث کا وظیفہ یہ ہے کہ اس نے حدیث کو جیسا سنا ویسا ہی اس کو نقل و روایت کر دیا۔ انتہی

اور حافظ ابن جوزی مناقب امام احمد میں لکھتے ہیں کہ:

قال احمد بن سلمۃ النیساپوری	احمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے اسحاق بن
سمعت اسحاق بن راھویہ یقول	راھویہ سے سنا تھا کہ وہ عراق میں احمد بن حنبل
کنت اجالس بالعراق احمد بن	یحییٰ بن معین اور دیگر محدثین کی مجلس میں بیٹھا

حنبل ویحیی بن معین واصحابنا فکذا نتذاکر الحدیث من طریق وطریقین وثلاثة، فیقول یحیی بن معین من بینہم: وطریق کذا، فقالوا: ما مرادہ ماتفسیرہ؟ ما فقہہ؟ فیبقون کلہم الا احمد بن حنبل۔ (۱۳)

کرتے تھے، حدیث کے مذاکرہ کا سلسلہ برپا ہوتا تو حدیث کو ایک یا دو یا تین طریقوں سے روایت کرتے اور پھر یحییٰ بن معین کہتے تھے کہ اور ایک اور طریق اس حدیث کا یوں بھی ہے، تو میں (اسحاق بن راہویہ) کہتا تھا کہ کیا اس حدیث کی صحت پر ہمارا اجماع ہے؟ اور وہ سب کہتے تھے کہ ہاں تو میں پھر پوچھتا تھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا تشریح ہے اور اس سے فقہ کا کونسا مسئلہ نکلتا ہے؟ تو اب سوائے احمد بن حنبل کے سب کے سب چپ ہو جاتے

اسی نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے حافظ ابن جوزی نے دفع شبہ التشبیہ میں فرمایا کہ:

اعلم! ان فی الحدیث دقائق وآفات لایعرفہا الا العلماء الفقہاء تارۃ فی نقلہا وتارۃ فی کشف معناھا۔ (۱۴)

جاننا چاہئیے کہ حدیث میں بہت سی باریکیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں جن کو صرف علماء فقہاء ہی جانتے ہیں، یہ باریکیاں اور خرابیاں کبھی اس کی نقل و روایت میں ہوتی ہیں اور کبھی اس کے معنی کو واضح کرنے میں۔

اور خود امام ترمذی کی اپنی جامع میں یہ تصریح موجود ہے کہ:

وکذلک قال الفقہاء وھم أعلم بمعانی الحدیث۔ (۱۵)

اور اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں اور وہی حدیث کے معانی کو خوب جانتے ہیں۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقدمہ حجۃ اللہ البالغۃ میں رقمطراز ہیں کہ:

وان اقرب القشور الی

حدیث کا وہ فن جو چھلکے سے یا حدیث کی ظاہری

الظاهر فن معرفة الحديث صحة وضعفا .... ثم يتلوه فن معاني غريبها وضبط مشكلها ثم يتلوه فن معانيه الشرعية واستنباط الاحكام الفرعية والقياس على الحكم المنصوص في العبارة، والاستدلال بالايماء والاشارة ومعرفة المنسوخ والمحكم والمرجوح والمبرم وهذا بمنزلة اللب والدر عنه عامة العلماء وتصدى له المحققون من الفقهاء(16)

حالت سے سب سے قریب تعلق رکھتا ہے وہ اس کی صحت اور ضعف کو پہچانتا ہے اس سے دقیق تر وہ فن ہے جس میں غرائب الفاظ کے معنی اور مشکل الفاظ کے ضبط پر خاص توجہ کی جاتی ہے .... اور اس سے بھی زیادہ دقیق وہ فن ہے جس میں احادیث کے شرعی معانی و مطالب پر غور کیا جاتا ہے اور احکام فرعیہ کا استنباط کیا جاتا ہے، اور منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کیا جاتا ہے اور ایماء و اشارہ سے استدلال کیا جاتا ہے، اور جس میں معرفت ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور راجح و مرجوح بے حد ضروری ہے۔ یہ وہ فن ہے جو کہ جمہور علماء کے نزدیک علم حدیث کا اصل مقصد اور بمنزلہ اس کے مغز کے سمجھا جاتا ہے اور فقہاء محققین کی توجہ اسی پر مرکوز رہتی ہے

صدر الائمہ موفق بن احمد نے مناقب الامام الاعظم میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن سعدان سے امام یزید ابن ہارون کا حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے :

سمعت من حضر يزيد بن هارون وعنده يحيى بن معين وعلي بن المديني واحمد بن حنبل وزهير بن حرب وجماعة آخرون إذ جاء مستفت فسأله عن مسئلة

(راوی کہتا ہے) میں نے ایک شخص سے سنا تھا جو یزید بن ہارون کی مجلس میں حاضر تھا، اس وقت ان کی مجلس میں محدث یحیی ابن معین، محدث علی بن مدینی، محدث احمد بن حنبل، محدث زہیر حرب اور دوسرے حضرات محدثین تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کسی مسئلہ پر استفتاء کیا

قال: فقال له يزيد اذهب الى اهل العلم، قال: فقال له على بن المديني أليس أهل العلم والحديث عندك؟ قال: اهل العلم أصحاب أبي حنيفة وانتم صيادلة

محدث یزید نے فرمایا کہ جاؤ اھل علم سے دریافت کرو، اس پر محدث علی بن مدینی نے کہا کہ کیا اس وقت آپ کے پاس اہل علم محدثین موجود نہیں ہیں؟ یزید نے جواب میں کہا کہ اہل علم تو ابو حنیفہ کے اصحاب ہی ہیں تم تو صرف دوا فروش ہو۔

حقیقت یہ ہے نرے محدث کی حیثیت عطار کی سی ہے اور فقیہ مجتہد مثل طبیب کے ہے جیسا کہ امام اعمش نے امام ابو حنیفہ سے کہا تھا، مقدمہ فتح الملہم میں مذکور ہے کہ ایک بار ایک محدث امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ملامت کرنے لگا کہ تم نے محدث سفیان بن عینیہ کی مجلس کو چھوڑ کر امام شافعی کی مجلس میں کیوں حاضری اختیار کی؟ امام احمد نے فرمایا:

"اسكت، فان فاتك حديث بعلو تجده بنزول ولا يضرك وان فاتك عقل هذا الفتى اخاف أن لا تجده"۔

خاموش میاں، اگر تم سے کوئی عالی اسناد والی حدیث رہ بھی گئی تو تم اسناد نازل کے ساتھ اسی حدیث کو دوسری جگہ پالوگے۔ اور اس میں تمہارا کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس شخص (یعنی امام شافعی) کا فہم و تفقہ نہ پایا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔

اسی طرح کی ایک اور روایت حازمی کی کتاب الاعتبار میں اور ابن الصلاح کی علوم الحدیث میں محمد ابن مسلم بن وارۃ سے منقول ہے کہ:

قدمت من مصر فأتيت أبا عبدالله احمد بن حنبل اسلم عليه فقال لى كتبت كتب الشافعى؟ قلت: لا، قال:

جب میں مصر سے آکر احمد بن حنبل کے پاس سلام کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے امام شافعی کی کتابیں نقل کرلی ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا

فوطت، ما علمنا المجمل من المفسر ولا ناسخ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منسوخہ حتی جالسنا الشافعی رضی اللہ عنہ (۱۹)

کہ تم نے بہت کوتاہی کی میاں ہم نے تو جب تک شافعی کی مجلس میں حاضری نہ دی اس وقت تک ہمیں مجمل و مفسر کا فرق آتا تھا اور نہ ناسخ و منسوخ کا۔

کبارِ علماء کے ان اقوال پر غور کرنے کے بعد مندرجہ ذیل حدیث شریف کا مطلب بالکل صاف ہو جائے گا کہ یہاں غیر فقیہ سے کون مراد ہے اور "افقہ منہ" سے کون۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا وأداھا، فرب حامل فقہ غیر فقیہ، ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ (۲۰)

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تروتازہ کرے اللہ اس شخص کو جس نے میری حدیث کو سنا پھر اس کو حفظ کیا اور یاد رکھا اور اسی طرح پہنچایا اس کو کیونکہ بسا اوقات حامل فقہ خود غیر فقیہ ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل فقہ اپنے سے زیادہ فقیہ کو پہنچاتا ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ میں لکھتے ہیں کہ:

وبھذا یعلم فضل الفقھاء المستنبطین علی المحدثین غیر المستنبطین فمستنبطو الفروع ھم خیار سلف الامۃ وعلماؤھم... فھم قوم غذوا بالتقوی وربوا بالھدی، أفنوا أعمارھم فی استنباطھا وتحقیقھا بعد أن میزوا صحیح الاحادیث من سقیمھا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے مستنبطین کو نرے محدثین کے اوپر بڑی فضیلت حاصل ہے۔ پس سلفِ امت کے بہترین بزرگان دین اور علماء وہ حضرات ہوئے جنہوں نے فقہی احکام کا استنباط فرمایا یہی وہ حضرات ہیں جن کی خوراک تقوی تھی اور جن کی پرورش ھدایت سے ہوئی، جنہوں نے صحیح ضعیف اور ناسخ و منسوخ حدیثیں جانچتے ہوئے اپنی ساری

وناسخها من منسوخها[18] — علم احکام کے استنباط اور ان کی تحقیق میں ختم کر دی

مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے ایک اور قابل غور نکتہ یہ بھی بتایا ہے کہ فقہ حدیث سے باہر کوئی شی نہیں، اس کے اندر موجود ہے جیسے کہ معانی الفاظ سے جدا نہیں ہوتے، الفاظ کے اندر ہی ہوتے ہیں، اس لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے راوی کو حامل فقہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان منہج الوصول میں لکھتے ہیں کہ:

ومراد لفقہ دقائق حدیث و فوائد ومسائل مستنبطہ ازوست[19]۔ — اور فقہ سے مراد حدیث کے دقیق معانی، علمی فوائد اور وہ مسائل ہیں جو حدیث ہی سے نکالے گئے ہیں

پس اس لحاظ سے فقہ درحقیقت حدیث کا ثمرہ ہے، جیساکہ قاضی عیاض نے اشیاخ میں اپنی سند کے ساتھ ابوالعباس ہمدانی سے امام بخاری کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ:

وھو (ای الفقہ) .... ثمرۃ الحدیث — یعنی فقہ حدیث کا ثمرہ ہے۔

اب اس تشبیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کو اچھی طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس ثمرہ کا حصول ہر ایک کا کام نہیں ہے کیونکہ فقہ نام ہے حدیث کے معارف و مطالب کے سمجھنے کا اور ظاہر ہے کہ اس فہم خاص کا حصول دشوار تر ہے تو وجود اس کا اور بھی نادر ہوگا، علامہ محمد زاہد کوثری حسن التقاضی میں رقمطراز ہیں:

وقد روی الرامھرمزی عن انس بن سیرین انہ قال: أتیت الکوفۃ فرأیت فیھا اربعۃ الاف یطلبون الحدیث واربعمائۃ قد فقھوا

رامہرمزی نے انس بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ میں (انس) جب کوفہ پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم جمع تھے اور چار سو فقہ میں مشغول (اس کے بعد علامہ کوثری لکھتے ہیں) یہ واقعہ اس

وفی هذا ما یدل علی أن الفقیه فهمته شاقة جداً فلا یکثر عدده اکثرة الناقلة (۲۳)	بات یہ دلالت کرتا ہے کہ فقیہ کا کام بہت ہی مشکل ہے اور اس لئے محدثین کی طرح فقہار کی کثرت نہیں ہوتی ۔

فہم حدیث کے مشکل ہونے کی بنا پر ہی محدث ابن عیینیہ نے کہا ہے کہ :

الحدیث مضلة الا للفقهاء	فقہار کے علاوہ باقی لوگ حدیث سے بہک بھی جاتے ہیں

محدث موصوف کے اس مقولہ کی شرح کرتے ہوئے شیخ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں کہ :

معناه ان الحدیث کالقرآن فی أنه قد یکون عام اللفظ خاص المعنی وعکسه ومنه ناسخ ومنسوخ ومنه مالم یصحبه عمل ومنه مشکل یقتضی ظاهره التشبیه کحدیث ینزل ربنا الخ ولا یعرف معنی هذا الا الفقهاء بخلاف من لا یعرف الا مجرد الحدیث فانه یضل فیه۔	اس مقولہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی طرح حدیث میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظ اس کا عام ہو اور معنی خاص یا اس کے بالعکس (کہ لفظ خاص ہو اور معنی عام) اور پھر اس میں ناسخ بھی ہوتا ہے اور منسوخ بھی اور بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ جن پر کبھی کسی کا عمل نہیں ہوا اور بعض ایسی مشکل ہیں کہ جن کے الفاظ بظاہر تشبیہ کے مقتضی ہیں جیسے کہ نزول باری تعالیٰ والی حدیث کہ فقہار کے علاوہ ان کے معانی و مطالب پر آگاہی کسی اور کو حاصل ہی نہیں ہوتی ہے بخلاف نرے محدث کے کہ وہ ایسی حدیثوں سے بہک جاتا ہے ۔

مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو متقارب الالفاظ حدیثوں پر نظر ڈالئے :

(۱) لا صلوٰة الا بطهور	نماز نہیں ہوتی ہے مگر طہارت کے ساتھ ۔

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب — نماز نہیں ہوتی ہے مگر فاتحہ کے ساتھ

عربی زبان کے قواعد نحو کی رو سے ان دونوں حدیثوں کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے، اب دیکھئے کہ غیر فقیہ کے لئے دونوں حدیثوں کے ظاہری الفاظ اور ترکیب سے یہ بات بالکل قرین قیاس نظر آتی ہے کہ جو حکم پہلی حدیث کا ہونا چاہیئے وہی دوسری کا بھی، یعنی اگر طہارت کے بغیر نماز ہوہی نہیں سکتی تو ظاہر ہے کہ طہارت کا حکم فرض ہے، اور اس طرح دوسری حدیث سے سورہ فاتحہ کا فرض ہونا بھی ظاہر ہے مگر فقہا کے یہاں۔ مختلف وجوہات کی بنا پر۔ ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے) پھر اسی طرح غیر فقیہ کے نزدیک جب بظاہر دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو یہ بھی قرین قیاس ہے کہ دونوں کی شرطیں بھی ایک ہی ہونی چاہیئں لہٰذا اسی ظاہری مغالطے میں آکر کسی غیر فقیہ سے یہ فتویٰ بھی سنا جاسکتا ہے کہ جس طرح نماز سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہو سکتی اسی طرح نماز سے پہلے سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی ضروری اور اس کے بغیر بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی، سوچیے کہ اگر غیر فقیہ مفتی کے سامنے یہ حدیث بھی آجائے کہ لا صلوٰۃ لحائض الا بخمار تو بات کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہے؟

غرض یہ کہ علماء فقہ وحدیث نے ہر قسم کی گمراہی کے سد باب کے لئے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ محدث کا اصل کام حدیث کی روایت ہے جبکہ فقیہ کا اصل کام اس میں تدبر و تفقہ کے بعد فقہی مسائل کا استنباط۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ:

ولا للحافظ الحدیث ان یتکلم	نرے حافظ حدیث کا یہ منصب نہیں کہ وہ حدیثوں
فی الفروع الفقہیۃ وایثار	سے فقہ کے احکام استنباط کرنے کے متعلق گفتگو کرے
بعضھا علی بعض (۲۵)	اور کسی ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دے کر اسے اختیار کرے

اور اس لئے جب تدوین حدیث کے مختلف ادوار اختتام کو پہنچے تو علمائے متاخرین نے روایت بدون درایت (یعنی بغیر سمجھے ہوئے خالی حدیث کا نقل کرنا) کی مذمت شروع

کردی، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب میں اسی موضوع پر ایک باب باندھا ہے جس میں انہوں نے اس امر پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ

والذی علیه جماعة فقهاء المسلمین وعلمائهم ذم الاکثار من الحدیث دون تفقه ولا تدبر (۲۶)

مسلمانوں کے تمام فقہا اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ باوجود فقہ سے بے بہرہ ہونے کے کثرت سے روایت حدیث کرنا مذموم ہے۔

اسی سلسلہ میں خطیب بغدادی کی کتاب میں حافظ ابن عقدہ کی یہ پر مغز نصیحت بھی منقول ہے: ملاحظہ فرمائیے۔

عن أبی الحسن محمد بن جعفر التمیمی الکوفی قال: قال لنا أبو العباس ابن عقدة یوما وقد سأله رجل عن حدیث، فقال: أقلوا من هذه الاحادیث فانها لا تصلح الا لمن علم تأویلها۔ (۲۷)

ابوالحسن محمد بن جعفر کوفی کہتے ہیں کہ ایک دن کسی نے حافظ ابن عقدہ سے ایک حدیث کی روایت کے بارے میں درخواست کی، تو حافظ موصوف نے اس سے فرمایا کہ حدیث کی روایت کم کیا کرو! یہ کام صرف ان لوگوں کے لئے موزوں ہے جو حدیث کے معانی کو بھی سمجھتے ہوں۔

اس کے بعد خطیب لکھتے ہیں کہ:

ولیعلم ان الاکثار من کتب الحدیث وروایته لا یصیر بها الرجل فقیها انما یتفقه باستنباط معانیه و امعان التفکر فیه۔ (۲۸)

اور جاننا چاہیئے کہ کتب احادیث کی بکثرت روایت کرنے سے کسی کو فقاہت حاصل نہیں ہوا کرتی بلکہ تفقہ صرف اس شخص کے اندر پیدا ہوتا ہے جو کہ حدیث سے اس کے مطالب کو نکالتا اور پھر ان پر غور وفکر کرتا ہے

فتاوی حدیثیہ میں لکھا ہے کہ:

وقال مالك لابني اخته بكر واسماعيل: اراكما تحبان الحديث وتطلبانه، قالا: نعم قال: ان احببتما أن تنفعا به و ينفع الله بكما ماقلاّ من الحديث وتفقها۔ (۲۹)

امام مالک نے اپنے دونوں بھانجوں بکر اور اسماعیل سے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں حدیث کے شوقین اور اس کے طالب ہو۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ خود تم کو بھی فائدہ پہنچے اور تمہارے ذریعے سے اوروں کو بھی اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچائے تو حدیث کی روایت کم کیا کرو اور اپنے اندر تفقہ پیدا کرو۔

اس کے بعد شیخ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

اشار رضی الله عنه الی أنه لا بد من معرفة الحديث لكن العمدة إنما هی علی التفقه فيه[۳۰]

اس میں امام صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بے شک حدیث کی معرفت ضروری ہے مگر اس میں دارومدار تفقہ پر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے اور جامع ترمذی و سنن دارمی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

۲۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

۳۔ شاہ اسماعیل، صراط مستقیم، ص ۱۱۹

۴۔ شاہ ولی اللہ، عقد الجید: باب حقیقت الاجتہاد

۵۔ شاہ ولی اللہ، مصفیٰ شرح مؤطا، ص ۱۸۰

۶۔ القرآن ۹ ، ۳۹

۷۔ القرآن ۳ ، ۱۶

۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، شرح سفر سعادت، ص ۱۹
۹۔ شاہ ولی اللہ ، مصفی شرح مؤطا
۱۰۔ جامع بیان العلم ص ۱۳۱، ج ۲ عقود الجواہر ص ۸
۱۱۔ مقدمہ فتح الملہم ص ۵
۱۲۔ فتح المغیث ص ۱۷ جلد ۳
۱۳۔ حاشیۃ ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجہ ص ۲۱
۱۴۔ دفع شبہ التشبیہ، حافظ ابن جوزی ص ۲۶
۱۵۔ الجامع للترمذی، باب غسل المیت
۱۶۔ مقدمۃ حجۃ اللہ البالغۃ ص ۲ ، ۳
۱۷۔ صدر الائمۃ موفق بن احمد، مناقب الامام الاعظم
۱۸۔ مقدمۃ فتح الملہم
۱۹۔ کتاب الاعتبار ص ۷ ، علوم الحدیث ص ۲۷۰ ۔
۲۰۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ
۲۱۔ ابن حجر مکی ، فتاوی حدیثیہ
۲۲۔ نواب صدیق حسن خان منہج الوصول ص ۱۰۲
۲۳۔ محمد زاہد کوثری، حسن التقاضی ص ۱۱
۲۴۔ ابن حجر مکی ، فتاوی حدیثیہ ص ۲۴۳
۲۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰
۲۶۔ حافظ ابن عبدالبر ، جامع بیان العلم
۲۷۔ خطیب بغدادی کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۸۰
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ ابن حجر مکی ، فتاوی حدیثیہ
۳۰۔ ایضاً ، ص ۲۴۳ ۔